

داستان

گومل ذیشان

پاک سوسائٹی کے تحت شائع ہونے والے ناول "داستان" کے حقوق طبع و نقل بحق ویب سائٹ **Paksociety.com** محفوظ ہیں۔

کسی بھی مندر، ادارے، ڈائجسٹ، ویب سائٹ، اپلیکیشن اور انٹرنیٹ کسی کے لئے بھی اس کے کسی حصے کی اشاعت، **سکرین شارٹ لیکر فیس بک پر لگانے** یا کسی بھی ٹیوی چینل پر ڈرامہ و ڈرامائی تشکیل و ناول کی قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر (پاک سوسائٹی) سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ ب صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی اور بھاری جرمانہ عائد کرنے کا حق رکھتا ہے۔

نوٹ: داستان پاک سوسائٹی کے لیے لکھی گئی خصوصی تحریر ہے۔

پہلی قسط

زہرہ کا آسمان دیکھا ہے تم نے؟ یوں سرخ ہے جیسے گل موہریوں زرد جیسے دکھتی آگ، یوں سرخ جیسے آتش ہے، یوں زرد جیسے سورج کا نگہ،، یوں سرخ جیسے یاقوت یوں زرد جیسے مکئی، یوں سرخ جیسے لہو یوں زرد جیسے کسی راہب کا چہرہ، یوں سرخ جیسے تم یوں زرد جیسے میں۔ وہاں کی لاکھوں سال کی تنہائی میں اب تک اس نے صرف اپنی سانسوں کی آواز سنی ہے۔۔۔ اس کی سانسیں گندھک کا دھواں ہیں جو تمہارے میرے لیے باعث شفا۔ تو اگر کبھی زمین مجھے شفا دینے سے انکار کر دے۔۔۔ اور میرا علاج زہرہ کی سانس ہو تو تم زہرہ تک جاؤ گے؟

یہ بارہویں صدی کا آسمان تھا اور آسمان پر صبح کا ستارا دمک رہا تھا۔ وہاں اس پل گندھک کی بہتی ندی میں ایک نازک سا بلبہ بن کر پھٹا جس کی آواز کسی نے نہیں سنی تھی۔۔۔ خود زہرہ نے بھی نہیں۔

"اے خدا

میں نے کبھی کسی اور سے امید نہیں رکھی تیرے سوا

میں نے ضرورت کے وقت کسی اور کی طرف سوالیہ نظروں سے نہیں دیکھا

میں نے کبھی خواہش کو اپنا خدا نہیں بنایا

میں نے تجھے مانا میں کامل ہوئی

ایک دن میں تیرے لیے اپنا سب کچھ تیاگ دوں گی

جیسے مسیح نے تیاگا تھا

میں تیرے لیے سفر کروں گی

جیسے صوفیا نینو نے کیا تھا"

صلیب پر ایک وجود منجمد تھا جس کے ہاتھوں پر کیل گڑے تھے۔ ہلکی بھوری قدیم دیواروں پر وہاں جلتی کچھ موم بتیاں سنہرے سائے ڈال رہی تھیں۔ اس کا چہرہ بھی اسی سنہرے سائے کی زد میں تھا۔۔۔ وہ سفید لبادے میں سر پر سکارف باندھے گہرے استغراق میں ثنا کرتی تھی۔ دائیں طرف اندر صوفیا نینو محو خواب تھی۔ وہ جو وہاں محو خواب تھی اس کے اندر کہیں زندہ تھی۔ اس نے عبادت کے بعد سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور واپس پلٹی۔۔۔ زمین پر دیکھ دیکھ کر قدم دھرتی کہ کہیں کسی قبر پر پاؤں نہ آجائے حالانکہ وہ قبریں وہاں اسی لیے تھیں کہ پاؤں میں آئیں۔

"ہاؤ۔" اس نے ابھی چرچ کا دروازہ کھول کر باہر قدم رکھا تھا کہ یکدم کسی نے اس کو ڈرانے کی کوشش کی۔

"چچ۔۔۔ چچ۔" اس نے وانو کا مذاق اڑایا۔

"یہ کیا ہے۔۔۔" وانو نے اس کے ہاتھ میں پکڑے چرمی کاغذ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایلیجا واپس آگئے ہیں۔" اس نے گھر جلدی پہنچنے کے لیے بھاگنا شروع کیا تھا۔ دائیں طرف سبزیوں اور شراب کے لیے انگوروں کی کاشت تھی۔ سامنے پادری کی رہائش گاہ تھی۔ یہ کاشت پادری کے خاندان کی خوراک کے بندوبست کے لیے تھی اور انہوں نے ہی کی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ الازانی وادی

میں تھا دور سے نظر آتا کوہ قاف کا سلسلہ بادلوں میں ڈوبتا ابھرتا سحر طاری کرتا تھا۔ ایما اور وانو صنوبر کے درختوں کے درمیان بنے راستے پر بھاگتے باتیں کر رہے تھے۔ اس وقت ان کا موضوع گفتگو ایلجیا تھے۔

چودہ سالہ ایما نے طے کیا تھا کہ وہ راہبہ بنے گی اور نینو کی طرح تبلیغ کے لیے نکلے گی۔ جس طرح نینو کی وجہ سے آج تمام کا تمام جورجیا عیسائی مذہب قبول کر چکا تھا وہ بھی ایسے ہی تبلیغ کرے گی۔۔۔ اگرچہ اسے کسی خواب میں اس بات کا حکم نہیں بھی ملا تھا جبکہ وانو کا خیال تھا اسے ایک بیکری کھولنی چاہیے کیونکہ اس کے ہاتھ میں نشہ ہے۔ جب وہ روٹی یا کیک بناتی ہے تو سب کا ہاتھ تب تک نہیں رکتا جب تک معدہ انکار نہ کر دے۔

وانو اس کے بچپن کا دوست اس کے گھر کے سامنے رہنے والا ایک عام سا لڑکا، کھلتی ہوئی سفید رنگت، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، گھنگھریالے بھورے بال، درمیانہ قد۔۔۔ وانو جو ایما کے لیے بہت خاص ہے کیونکہ وہ اس کو جانتی ہے اور جن کو وہ جانتی ہے وہ اس کے لیے دنیا کے خاص ترین لوگ ہیں۔ وہ بھاگتے ہوئے چرچ کے احاطے سے نکلے۔

"تم ایلجیا سے نہیں ملے۔" اس نے پھولتی سانسوں اور سردی سے سرخ ہوتے ناک کے ساتھ کہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا۔" وہ ایما کا رفتار میں مقابلہ کرتے ہوئے بولا۔ ایلجیا ایما کے چچا تھے۔ پہلے سات برس ایما اپنے چچا کے ساتھ یوں چپکی دکھائی دیتی تھی جیسے چھپکلی دیوار کے ساتھ۔ وہ رشتے داروں کے لیے عجیب اور علاقے کے بعض لوگوں کے لیے ناپسندیدہ شخصیت تھے۔ جو رحمن خون میں آگ اور جنگ وراثت میں منتقل ہوتی تھی۔ ایسا دور جب منگولوں، روسیوں اور مسلمانوں کی چاروں طرف سے یلغار تھی ان کا اپنے آپ میں مست رہنا ان سب کو کھٹکتا

تھا۔ انہوں نے پادری بننے کی مکمل تعلیم حاصل کی تھی مگر عملی طور پر اس کو اپنا یا نہیں تھا۔ پھر کچھ سالوں سے انہیں نیا شوق چرایا تھا۔ اس وقت جب علاقے کے جوان اپنے مذہب اور وطن کی حفاظت کے لیے کمر بستہ رہتے، بہترین جنگی مہارت حاصل کرتے وہ ہر سال دو سال کے بعد دوسرے ملکوں کے سفر پر نکل کھڑے ہوتے۔ وہاں وہ ان کی لائبریریاں کنگھال کر اپنی پسندیدہ کتابیں قلم بند کرتے، وہاں کی زمین اور پتھروں کی ساخت پر غور کرتے، موسموں کا مطالعہ کرتے، زبان کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتے، جانوروں اور پودوں کے بارے میں علم حاصل کرتے اور واپس آ جاتے پھر کچھ عرصے بعد وہ یونہی کرتے۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ ایسا اپنی جان بچانے کی غرض اور عیاشی کے لیے کرتے ہیں۔۔۔ باقی باتیں بہانہ ہیں مگر ایما جانتی تھی کہ ایسا نہیں ہے اس کے چچا انمول ہیں۔ اس بار وہ یونان سے آئے تھے اور اب جبکہ ایما بھی روانی سے پڑھنے لگی تھی تو انہوں نے سقراط پر وہ کتابیں جو اس کے شاگردوں نے تصنیف کی تھیں مہینوں کی کڑی محنت سے چرمی کاغذوں پر نقل کی تھیں اور اس وقت وہ وہی کاغذ لیے جس کی خوشبو اس کے علم میں آئے بغیر اس کے ہاتھوں میں بس گئی تھی وانو کے ساتھ بھاگتی آرہی تھی۔

گھر کے دروازے پر پہنچ کر وہ جھٹکے سے رکی تھی۔ وانو بھی پیچھے رکا۔

"اندر آؤ۔" وہ دروازے سے جھول گئی۔

"تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔" صفر کے قریب ہوتے درجہ حرارت کی وجہ سے سرخ پڑتے چہرے

کے ساتھ وہ بولا تھا۔

"تم سپاہی بننے کے بجائے پادری کیوں نہیں بن جاتے۔۔۔" ایما کو اس کا چہرہ دیکھ کر ایک ہی

خیال آتا تھا۔ کسی چرچ میں موم بتیوں کی روشنیوں میں وہ باوقار انداز میں کھڑا انجیل مقدس کی تلاوت کر رہا ہے اور سب سے آگے وہ کھڑی اسے سن رہی ہے۔

"یہ کام میری طبیعت سے مطابقت نہیں رکھتا۔۔۔" وہ مسکرایا تھا۔

"مگر میرے لیے تو یوں نہیں ہونا۔"

"ہنہ۔" اس نے مٹھی بند کر کے ہوا میں لہرائی اور وانو کی مٹھی کو مس کیا۔

"اب آنا تھوڑی دیر تک۔۔۔" وہ گھر کے اندر داخل ہوئی تھی۔

اس کے نام کا مطلب بھی یہی تھا۔۔۔ "میں ہوں"۔

کائنات میں نئے بنتے ستاروں کا دمکتا غبار ہے۔۔۔ دور جاتی قریب آتی کہکشاں ہیں۔۔۔ کسی سیارے کی زمین سرخ، کسی کی سبز کسی کی سفید ہے۔۔۔ کہیں پانی کی نہیں ہیروں کی بارش ہوتی ہے اور وہاں اس صبح کے ستارے کی زمین پر گندھک بہتی ہے اور ہر جگہ ہر کہیں ایک آواز گونجتی ہے۔

"میں ہوں۔۔۔ جو میں ہوں۔"

"اور اگر تم سے وہ سوال کریں کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے تو تم کہنا۔۔۔ میں ہوں نے۔"

وہ احاطے میں لگی سبزیوں پر سے پھلانگتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی۔۔۔ باہر برآمدے میں کھڑی جس پر رنگین دھاگوں سے آدھا بُنا کپڑا اور زمین کی کھدائی اور کاشت کے لیے کچھ پتھر کے اوزار رکھے تھے ان کو ایک نظر دیکھتے۔۔۔ ابھی کچھ دیر میں اسے اماں کے ساتھ بیٹھ کر کام کرنا تھا۔

"آگئی۔۔۔" وہ اندر داخل ہوئی، جلتے چراغوں کے باوجود کچھ دیر نظر نہیں آیا تھا بس ایلیجبا کی آواز سنائی دی تھی۔

"ہاں۔" اس نے اندھوں کی طرح ناپ ناپ کر قدم اٹھاتے ہاتھ میں پکڑے چرمی کاغذ دیوار میں کھدی شیف میں رکھے پھر جوتے اتارنے لگی۔

"یہ کیوں ساتھ لیکر گئی تھی۔" اب ایلیجا کا چہرہ نظر آرہا تھا۔

"یسوع سے دعا کرنے کہ اس میں لکھی ہر بات سمجھ میں آئے۔" وہ مسکرائے۔

"ایلیجا میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔" وہ یکدم ان کے سینے سے لگی تھی۔

"آپ چلے جاتے ہیں تو میرا دل نہیں لگتا۔" محبت کی لو اس کے دل کو روشن کرتی تھی۔

انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ماتھا چوما۔

"اگر میں نہیں جاؤں گا تو تمہارے لیے یہ سب کہاں سے لاؤں گا۔" اس نے دیکھا اماں گھر کی

پچھلی طرف گڑھے میں شراب کشید کرنے کی غرض سے ڈالے گئے انگوروں کو گھوٹ رہی تھیں۔ قریب

ان کے ایک عجیب سی چیز پڑی تھی۔ اس نے غور کیا وہ دو مٹی کے ظروف تھے ایک ذرا بلندی پر اور

دوسرا نیچے، اوپر والے سے نیچے والے برتن میں ایک رفتار سے پانی منتقل ہو رہا تھا۔

"یہ گھڑی ہے۔"

"اوہ۔" اسے شیشہ ساعت کی طرح یہ خیال پسند آیا تھا۔

"اور یہ دیکھو انہوں نے اسے ایک موم بتی دکھائی جس پر نشان لگے تھے۔ ہر نشان کو ہم مقرر

وقت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔"

"یہ تو اتنے سادہ خیالات ہیں چاچو۔۔۔ ہمیں کیوں نہیں آتے؟"

"کیونکہ ہم سوچتے نہیں ہیں اس لیے۔"

"سوچنے کے لیے بھی تو وقت درکار ہے نا۔۔۔"

"اور وقت قربانی مانگتا ہے۔۔۔" اس نے دیکھا وہ داخل ہوا تھا۔

"اور قربانی صرف وہی دے سکتا ہے جس کے اندر ایک کیڑا موجود ہو جو محبت کا ریشم بنتا ہو اور جو کو کون کی جس میں رہنا جانتا ہو۔۔۔ اور جو مرنا جانتا ہو۔"

وانو کہتے ہوئے ایلیجا کے گلے لگا تھا۔ تبھی تو وانو خاص تھا۔ وانو اور ایلیجا ان کا یہ نور کسی اور نے اس طرح نہیں دیکھا تھا جس طرح ایمانے۔

"قربانی کیا ہے؟"

دیودار کی لکڑی سے بنے اس گھر میں وقت کی قدیم خوشبو ٹھہری تھی جس میں چراغوں کے تیل، انگوروں اور محبت کی خوشبو بھی گھلتی جاتی تھی۔

"ابراہیمؑ کے بیٹے کا اللہ اور باپ کی محبت میں گلے پر چھری پھر دانے کے لیے تیار ہو جانا۔" وانو نے جواب دیا تھا۔

"سقراط کا ذہر کا پیالہ پینا لیکن حق بات کو وراثت کے طور پر شاگردوں اور آنے والے لوگوں میں چھوڑ جانا۔" ایلیجا نے اضافہ کیا تھا۔

"اور تمہارے باپ کا جنگ پر جانا اور لوٹ کر نہ آنا۔" اماں پچھلے احاطے سے اندر آچکی تھیں۔ اس نے اٹھ کر ان کا چہرہ اچھا کیا۔

"میں باہر کھڑی پر جا رہی ہوں تھوڑی دیر تک آ جانا۔" وہ واپس اس کا چہرہ اچھومتے ہوئے بولیں۔

"اس میں لکھا ہے سقراط ایک قربانی کا قرضدار تھا جو اسے اسکلیپیئس (طب کا دیوتا) کے حضور پیش کرنی تھی۔" ایما چوگور ایلیجا کو پکڑاتے ہوئے بولی۔

نانکون کی تاروں پر ایلیجا کی انگلیاں مست ہوئی تھیں۔ انہوں نے ابھی بجانا شروع ہی کیا تھا کہ دروازے پر لگی لوہے کی گھنٹی بجی۔ کوئی اندر داخل ہوا تھا۔

"اس سے پہلے کہ تم جاؤ میں بتا دوں یہ رسودان ہے۔" وانو نے زمین پر بچھے قالین پر دراز ہوتے

ہوئے کہا۔

"وہ مسکرائی۔"

"اس کو خبر ہو جاتی ہے، ہوا میں پھیلی خوشبو سے کہ ایلجا آئے ہیں۔"

اور ایلجا آنکھیں بند کیے چوگور بجارہے تھے۔"



یہ موسم بہار کا جشن تھا۔۔۔ یسوع کے جی اٹھنے کا بھی۔ راسخ الاعتقاد کلیسا کے مطابق بہار کے موسم میں آنے والے اس اتوار کو ایسٹر منایا جاتا تھا جو وقتی لحاظ سے برابر دن اور رات گزرنے کے بعد طلوع ہونے والے پہلے پورے چاند کے بعد آتا تھا۔

اس دن گڈ فرائڈے تھا یعنی مقدس جمعہ جس دن یسوع کو صلیب تک جانے کے لیے چودہ مقامات سے گزرا گیا۔

وانو اپنے دس، آٹھ اور چھ سالہ بھائیوں میں گھرا اس وقت انہیں چاقو تیز کرنا سکھا رہا تھا۔ پورے علاقے میں اس وقت ایسٹر کی تیاریاں تھیں۔ چالیس روزے ختم ہونے کو تھے جس کے اختتام پر یہ خوشی منائی جانی تھی۔ وانو کی ماں اس وقت مکئی کی روٹیاں بنا رہی تھی اور شوہر سے آج مدعو مہمانوں کے بارے میں گفتگو کرتی جاتی تھی جو اس وقت اپنے لباس پر پیوند لگانے میں مصروف تھے۔

وہ گول گوتھا کی طرف بڑھتا ہے

اس کا مقدس چہرہ روشن ہے

اس کے دل کی تختی پر خداوند کی آواز کندہ ہے

وہ یسوع ہے



اس وقت ایللیجا اس کے لیے افلاطون کے لفظوں کو مزید سادہ ترین میں لکھ رہے تھے۔ ان لفظوں پر چراغ کی روشنی پڑتی تھی اور ان کا چہرہ بھی اس کی زد میں تھا درجہ حرارت منفی ایک تھا۔ ایما ابھی تک واپس نہیں لوٹی تھی ایلن کتنی بار دروازے کا چکر لگا آئی تھیں۔ وہ ماتھے پر بل ڈالے دوبارہ مٹھائی بنانے کے لیے بیٹھ گئیں۔

"آلو بخارے کی بھی بنائی ہے؟" ایللیجا نے چرچلا (مٹھائی) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ انگلیوں کی پوری رنگِ روشنائی سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ ان کے اچانک بولنے سے چونکی تھیں اثبات میں سر ہلایا۔ پھر پھلوں کے ابلتے رس میں آم شامل کرنے لگیں۔

"آپ کے آنے کی خوشی میں خاص شہد اور تین چار پھلوں کے رس کو ملا کر بھی بنایا ہے۔" انہوں نے محبت اور عزت کے اس اظہار پر ہلکا سا سر خم کیا تھا۔ "یہ ایما کہاں رہ گئی؟" وہ پریشانی سے ایک بار پھر بڑبڑائی تھیں۔

اور اس وقت ایما زمین کھودتی تھی تاکہ روناس کی جڑیں نکال سکے۔ ہاتھ سردی کے باعث بے حس ہو چکے تھے مگر اسے روناس کی جڑیں ہر قیمت پر چاہیے تھیں کیونکہ اس کا جو آتش سرخ رنگ تھا وہ پیاز کے چھلکوں سے حاصل نہیں ہوتا تھا۔ اوپر جو جڑیں تھیں وہ نئی تھیں اور آتش رنگ کے لیے مضبوط لکڑی کی قدیم جڑ چاہیے تھی۔ اونٹی ٹوپی اور چونے کے باعث سردی کی شدت جسم پر اثر نہیں کر رہی تھی ہاتھ اور چہرہ ٹھنڈک کی زد میں تھے۔ اس نے گہرائی سے ایک جڑ کھینچی چھری سے اس کو کاٹ کر دیکھا۔ مطمئن ہو کر وہ کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ایللیجا۔"

جب وہ رونا س لیکر پہنچی ایللیجا باہر نکل رہے تھے۔ وہ ماتھے پر بوسہ دیتے آگے نکل گئے۔
اماں ڈوریوں میں خشک میوے پرو کر اس گاڑھے رس میں ڈبوتی اور نکالتی جاتی تھیں۔
"کتنی دیر کر دی تم نے۔" وہ اندر داخل ہوئی تو وہ چونکی تھیں۔
"کھودنے میں وقت لگ گیا۔۔۔ لکڑیاں بجھائی تو نہیں۔"
"نہیں لے آؤ۔" اماں نے چولہے کے اوپر رسی باندھ دی۔

اس نے باہر پڑے مشینز سے ہاتھ دھوئے اور ڈھیر سارے انڈے برتن میں ڈال کر ساتھ رونا س کی جڑ ڈال دیں۔ اس برتن کو چولہے سے ذرا اوپر انہوں نے لٹکا دیا۔
تھوڑی دیر میں پورا گھر رونا س اور سرخ انڈوں کی خوشبو سے معطر تھا۔ دوستوں کے ساتھ ثنا کرتے، مکئی کی روٹیاں، ابلے ہوئے انڈے اور بھنا گوشت کھاتے باتیں کرتے وہ دن بیتا تھا۔



وہ اپنے دوست کی بہن کی شادی پر آئے تھے وہاں عشاہیے میں اس کی نظر سودان پر پڑی۔ وہ دوستوں کے ساتھ رقص کر رہی تھی، گلابی چونے اور سر کو سنہری جالی سے ڈھانپے، آج ہلکے غازے میں اس کا چہرہ دکھتا تھا۔ وہ پہلی بار مبہوت ہوئے تھے۔ سودان رقص کرتے ہوئے اس کی طرف ادا سے دیکھتی تھی۔۔۔ وہ مسکرائے اور دور سے سر خم کیا۔

"کیا تمہارا بھی شادی کا ارادہ ہے میرے دوست؟ دوست نے اچانک آکر کہا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

"سوچتا ہوں پر رک جاتا ہوں، کچھ اہم کام ہیں جو ابھی کرنے باقی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ شادی تب تک نہیں کرنی چاہیے جب تک آپ کو لگتا رہے کہ اس کے کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔" اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جس کے گرد پانچ بچے جگمگا لگائے ہوئے تھے۔ وہ ایللیجا کا ہم عمر تھا، اس کی شادی کو بارہ برس ہو رہے تھے۔

"شادی تب کرنی چاہیے جب تمہیں لگے کہ اب مجھے زندگی میں جو کرنا ہے وہ کسی کے ساتھ مل کر کرنا ہے۔۔۔ یقین کرو اگر پچھتاوا قسمت میں لکھا ہو تو ہر قیمت پر پچھتانا پھر بھی ہو گا۔۔۔" اس نے نشے میں دھت دوست کو کچھ نہیں کہا تھا۔



"ایلیجا کہاں رہ گئے۔۔۔" وہ چار دفعہ چکر لگا آئی تھی۔ پانچویں دفعہ جب باہر نکلی تو وانو کی آواز آئی تھی۔

"ان کو شاید دیر ہو جائے۔" اندھیرے میں اس کا چہرہ دیکھنے میں اسے دشواری ہوئی تھی۔
"کیوں؟"

"کیوں۔۔۔ نہیں بتا سکتا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"مگر کیوں؟" وہ باہر نکل آئی تھی اور اب شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔
"کیونکہ وہ شراب خانے میں ہیں اور اس وقت وہاں۔۔۔ اولیویا ناچ رہی ہے۔"
"ر سودان کو دکھ ہو گا۔" اس نے اس کے سر پر چپٹ لگائی۔
"اور تمہیں نہیں ہوا۔"

"میں جانتی ہوں وہ کیا ہیں اس لیے مجھے دکھ نہیں ہوا۔۔۔"
"مجھے دکھانے لے چلو گے میں نے اس کے رقص کی بہت تعریف سنی ہے۔"
"ہر گز نہیں۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔"
"کیسا رقص کرتی ہے وہ۔"
"زمانہ اس پر فدا ہے۔"
"کیا تم نے اس سے کبھی بات کی؟"

"نہیں۔۔۔ ہاں بات کرتے ہوئے دیکھا ہے اسے۔۔۔ عام رقاصاؤں جیسی ہے۔"

"میرا یقین ہے جو اپنے فن میں مشتاق ہوتا ہے اس کی روح نے عبادت کی بلندی حاصل کی ہوتی ہے اسے کوئی نہ کوئی معرفت حاصل ہوتی ہے پھر چاہے وہ بعد میں اس مقام پر نہ رہے۔۔۔"

اتنے میں اندر سے اماں کی آواز آئی تھی۔

"اب تم جاؤ اماں بلارہی ہیں۔" وہ دروازہ بند کر کے اندر آگئی تھی۔



"اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کی طرف سے آتا ہے لیکن میں حیران ہوں کہ خدا کو ہمارے تحفوں اور قربانی کی ضرورت ہے۔" سقراط کے ایک ساتھی نے اس سے کہا تھا۔

"مرغ، کبوتر یا دنبایا اس سے بھی چھوٹی چیز کی قربانی دیکر انسان خداؤں کی حفاظت اور محبت حاصل کرنا چاہتا ہے۔۔۔ اپنی خواہش کی تکمیل چاہتا ہے یہاں تک کہ ہم ایک مرغ کے بدلے موت سے آزادی چاہتے ہیں۔" سقراط نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ میں سمجھ سکتا ہوں سقراط موت خوفناک ہے اور درد بھری۔۔۔ پیدائش سے کہیں زیادہ۔"

"ہو سکتا ہے۔۔۔ مگر ہو سکتا ہے یہ مٹھاس بھری ہو اگر ہم سچ تک پہنچ جائیں۔"

"ہم سب فانی ہیں سقراط اور ایک دن ہم سب نے مر جانا ہے۔۔۔"

ستاروں کی روشنی گھر کے پچھلے احاطے میں کاشت کیے گئے انگور کے پودے دکتے تھے۔ سردی کی ایک خاص مہک میں چراغ کی لو اس کی کتاب کے اوپر روشنی کرتی تھی۔ وہ پڑھنے میں محو تھی کہ باہر دروازہ کھلنے کی وجہ سے ہلکی سی گھنٹی کی آواز پیدا ہوئی تھی۔ وہ کمرے سے دوڑتی ہوئی نکلی۔

ایلیجا کو اس کی آمد کی توقع نہیں تھی اس لیے وہ یکدم ٹھہرے تھے۔

"ابھی تک جاگ رہی ہو۔۔۔"

"آپ کہاں تھے؟"

"تمہیں سو جانا چاہیے تھا۔"

"چند دوستوں نے بلایا تھا۔۔۔"

"کیا آپ رسودان سے شادی کر سکتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میرے پاؤں میں گردش ہے۔"

"کیا آپ اپنے اگلے سفر میں مجھے ساتھ لیکر جاسکتے ہیں۔"

"ممکن ہے مگر ابھی مجھے کافی عرصہ کوئی سفر نہیں کرنا۔" وہ اس کے ساتھ اندر آگئے تھے۔

"کیوں؟" اسے ان کی آواز میں ہلکی لرزش محسوس ہوئی تھی۔

"کیونکہ مجھ پر اک سایہ منڈلا رہا ہے اور ممکن ہے۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئے تھے۔

"کس چیز کا سایہ؟" اسے سمجھ میں نہیں آئی تھی بات۔

"اب سو جاؤ بہت رات ہو گئی ہے۔" وہ تذبذب کے عالم میں کمرے میں آگئی۔

"اگر موت میٹھی ہے اور اس کا مطلب آزادی ہے تو ہم ایسکلیپیئس کے حضور مرغ کی قربانی

دیکر لطف اٹھائیں گے۔۔۔ کریٹو میرے نزدیک موت آزادی ہے۔ دو میں سے ایک بات لازمی سچ ہے یا

تو میرے لیے وہاں علم ہو سکتا ہے اور یا یہ علم موت کے ذریعے ہو گا اور تم جانتے ہو علم کے لیے میری

پیماس اور تجسس۔۔۔ ایسکلیپیئس میں اپنے دوستوں کے درمیان مرنا چاہتا ہوں دوسری طرف کا علم

حاصل کرنے کی امید پر۔"

وہ سقراط اور کریٹو کا مکالمہ پڑھتے پڑھتے نیند کی وادی میں جا اتری تھی۔



وہ جو گرا ہوا تھا اور مخالف کھلاڑی اپنی جیت کی خوشی میں شور مچاتا دائرے میں چکر لگا رہا تھا یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے کے مخالف کھلاڑی کچھ سمجھ پاتا اس نے اس کا بازو مروڑ کر پیچھے کمر پر لاک کیا تھا، ٹانگ سے اس کے گھٹنے والی جگہ پر پیچھے سے ضرب لگائی وہ منہ کے بل زمین پر گرا تھا اور اگلے لمحوں میں بازی پلٹ چکی تھی۔

جیت کی رقم وصول کر کے دانو نے اکھاڑے سے واپسی کے راستے پر قدم بڑھائے تھے۔ دائیں ٹانگ میں شدید ٹیس اٹھ رہی تھی۔ اس کے باپ کے دوست کے مطابق اسے اب جنگی لشکر کے ساتھ بھیجا جاسکتا تھا اور وہ خوش تھا کہ جلد ہی اپنے ملک کی حفاظت کی ذمہ داری پر معمور ہو گا۔

وہ گنگناتا ہوا چل رہا تھا کہ یکدم پیچھے سے کسی نے اس پر پتھر سے وار کیا تھا۔ پتھر اس کی کمر میں کھب گیا تھا وہ تکلیف کی شدت سے دوہرا ہوتے ہوئے مڑا وہاں جیکب تھا جس سے ابھی اس کا اکھاڑے میں سامنا ہوا تھا وہ اپنی شکست کا بدلہ لے رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسرا پتھر اس کے سر پر مارتا دانو نے دھندلائی آنکھوں سے دیکھا تھا کسی نے اس کی ٹانگ پر ڈنڈے سے وار کیا تھا وہ پتھر سمیت زمین بوس ہوا۔

دھند چھٹ چکی تھی جیکب نیچے پڑا کراہ رہا تھا اور سامنے وہ سنگی بوڑھا تھا جس کے بارے میں لوگوں کو شک تھا کہ یہ جادوگر ہے۔ وہ مٹی کے ظروف بناتا تھا جو شراب اور دیگر ضروریات کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ اکثر کوئی بیمار یا موت کے منہ میں ہوتا، کسی کی کوئی چیز چوری ہو جاتی یا کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو اس کے پاس جاتا اس نے حیرت انگیز طور پر لوگوں کو اس کے پاس ٹھیک ہوتے دیکھا تھا، فیصلوں میں کامیاب ہوتے اور جادو سے چیزوں کو ملتے جہاں پر وہ بتایا کرتا تھا کہ موجود ہیں۔

"شکریہ۔" وہ کپڑے جھاڑتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"صرف شکریہ نہیں جان بچائی ہے تو اب معاوضہ ادا کرنا ہو گا۔" وانو کو ایک پل کے لیے لگا وہ مذاق کر رہا ہے اس لیے ہنس دیا مگر اسے ہنسی سمیٹنی پڑی کیونکہ وہ سنجیدہ تھا۔

"پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔" اس سے اچھا تو نہ بچاتا میں خود نیٹ لیتا اس نے منہ بنا کر سوچا۔

"کچھ ظروف میرے گھر سے جو رجبی کے گھر پہنچانے ہے چلو مدد کرو۔"

وانو گہری سانس لی۔

"حد ہے یعنی کہ۔" دل میں سوچا۔

بازو اور چہرے سے مٹی صاف کرتا ہوا اور اس کے گھر میں داخل ہوا۔ داخل ہونے سے پہلے جیکب کو جواب تک لیتا ہوا تھا اور جوزف کے ڈنڈے کے ڈر سے اٹھ نہیں رہا تھا وانو نے پیٹ میں ٹھوکر لگائی تھی۔

"اوہ!" اندر داخل ہوتے ہی اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

سادا سا گھر تھا دو کمروں پر مشتمل لکڑی سے بنا ہوا۔ زمین پر سرخ رنگ قالین بچھا تھا ایک طرف چند تکیے اور الماری پڑی تھی۔ مگر وہ کیا تھا جو اس دیوار میں ایک خاص ترتیب سے کھدے خانوں میں تھا۔۔۔ نوادرات کا ذخیرہ۔۔۔ قدیم ہتھیار، نقشے اور جانے کیا کیا۔

"یہ۔۔۔"

"یہ اتنے قیمتی ہیں۔۔۔ جتنا تم سوچ رہے ہو وہ اس کے آگے کچھ نہیں۔"

"تو یہ یوں سرعام کیوں رکھی ہوئی ہیں۔" اسے اچھنبا ہوا تھا۔

"یہاں کوئی نہیں آتا۔" جوزف مسکرایا۔

تین سو سال قبل مسیح کی خنجلی،، تانبے اور کانسی کی چھوٹی تلواریں، بلیڈ والے اور نوکیلے

انگلیوں پر پہننے والے چھلے جو پیتل اور سفید دھات سے بنے تھے، قدیم کلباڑیاں اور نیزے، ہاتھ والی کلباڑی جو زراعت کے کام کے لیے تھی یا خزانہ کھودنے کے لیے۔

اور یہ نقشے۔۔۔"

"یہ ان جگہوں کے نقشے ہیں جہاں اب تک خزانے موجود ہیں۔" اسے لگا وہ مذاق کر رہا ہے۔
 "یہ خزانے سونا چاندی نہیں بلکہ ایسی جگہیں ہیں جہاں شفا کے راز ہیں۔۔۔ قیمتی ذائقے دار، شفا دینے والی جڑی بوٹیاں اور پانی۔۔۔ علم کے غیر دریافت شدہ موتی۔۔۔ حکمت کی منزلیں۔۔۔ سرور آور کیفیتیں۔"

"اوہ۔۔۔" وانو حیرت اور ستائش کی ملی جلی کیفیت میں وہ نقشے دیکھ رہا تھا جو چرمی کاغذوں پر سنہرے پانیوں سے بنائے گئے تھے۔

"چلو میاں اب یہ پانچ ظروف ہیں پہنچا کر آؤ۔" جوزف کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں واپس لیکر آئی تھی۔

وہ لکڑی سے بنی ایک چھوٹی سی خوشبودار ریڑھی پر وہ ظروف رکھے باہر نکلا تھا جبکہ جاچکا تھا۔



"یہ مجھے اس جادوگر جوزف نے دیے ہیں۔" اس نے ڈوبتے سورج کی روشنیوں میں صوفیا نینو کے معبد کے سائے میں اس پہاڑی پر بیٹھے جس کی فضا کو پادری کے گھر سے اٹھتی روٹی کی خوشبو اور جلتی لکڑی کی روشنی حسن بخشی تھی ایما کو دکھائے تھے۔ وہ جب کہیں نہیں پائی جاتی تھی تو وہ نینو کے معبد میں پائی جاتی تھی۔

"یہ کس لیے۔"

"میری حفاظت کے لیے۔"

"یہ بہت خوفناک ہیں۔" اس نے ان کے اوپر لگے نوکیلے جوڑوں کو چھوتے ہوئے کہا۔
 "مگر ضروری ہیں۔۔۔ بہت جلد میں یہاں سے چلا جاؤں گا کیا تم مجھے یاد کرو گی۔" وہ خود بھی
 نہیں جانتا تھا اس نے اس سے یہ کیوں پوچھا تھا۔
 وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"اگر تم نے آنے میں دیر کی تو جب تم واپس آؤ گے میں راہبہ کی تربیت مکمل کر چکی ہوں گی۔"
 "جوزف کا گھر کسی جادوگر کا گھر ہے۔" وانو نے بات پلٹ دی۔
 "اچھا اور کیا تھا وہاں؟" وہ گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
 "وہاں خزانوں کے نقشے تھے۔۔۔" وانو نے ساتھ قدم بڑھائے۔
 "یعنی شفاء، علم اور حکمت کی جگہیں۔۔۔"
 "تمہیں کیسے معلوم؟" اسے شدید حیرانی ہوئی تھی۔

"ممکن ہے اس کے پاس سونا چاندی کے خزانوں کے نقشے بھی ہوں مگر وہ جتنا خوبصورت انسان
 ہے مجھے لگا اس کے پاس انہیں چیزوں کے نقشے ہونے چاہیے۔" وہ چلتے ہوئے اپنے پاؤں کی طرف دیکھتے
 ہوئے بولی تھی۔ یہ جوتی اس نے خود بنائی تھی سنہرے رنگ کے دھاگوں سے۔ اب وہ اٹھتے بیٹھتے اپنی
 نظروں میں رکھ رہی تھی فخر سا محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اتنی خوبصورت جوتی گاٹھی ہے۔
 "تم اس کو اتنا کیسے جانتی ہو؟" وانو نے صنوبر کی چھاؤں میں اس سے پوچھا تھا۔ وہاں پھیلی گہری
 خاموشی اور سبز خوشبو میں اپنی دوست سے۔

"جب بابا فوت ہوئے تھے وہ روز اور اب تک ہر ماہ آکر دریافت کرتا ہے کہ ہمیں کوئی پریشانی تو
 نہیں۔ اور یہ تعلق اس کا ہر مشکل میں گھرے گھر سے ہے۔ وہ روز صبح چرچ آتا ہے اور انجیل مقدس کی
 ایسی آیات تلاوت کرتا ہے کہ پادری اور راہب بھی متاثر ہو کر اسے دیکھتے ہیں۔"

"کیا تم نے اس کا گھر اندر سے دیکھا ہے۔" وانو پھر اس کے گھر میں بنی ہتھیاروں سے سبھی اس شیف کے پاس کھڑا تھا۔

"نہیں میں وہاں کبھی نہیں گئی۔"

ان کی باتیں وہاں صنوبر کے درختوں نے، پرندوں نے اور خوشبو نے سنی تھیں۔۔۔ ان کی باتیں جو حنوط ہو گئی تھیں تاکہ آنے والے وقت میں ایما بار بار انہیں ری پلے کر کے سنے۔۔۔ اس منظر پر سال بیت گیا تھا۔۔۔

عجیب جس تھی۔۔۔ عجیب موسم تھا۔ جیسے آسمان کو سانس نہ آرہا ہو۔۔۔ جیسے جہنم کی کوئی کھڑکی زمین کے رخ پر کھلی رہ گئی ہو جیسے کسی ستارے کی زمین کو آہ لگ گئی ہو۔ وانو کے جانے کے بعد وہ مزید اکیلی ہو گئی تھی اس کو گئے سال بھر ہو چکا تھا۔ وہ اس کے جانے کے بعد راہبہ بننے کی تربیت لے رہی تھی۔ فادر نے اسے اس شرط پر قبول کیا تھا کہ وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو چرچ اور مذہب کے لیے اور انسانوں کے لیے وقف کر دے گی اور اگر اس تعلیم کے دوران وہ بیچ میں چھوڑ کر کہیں گئی تو اس کو دوبارہ یہ خوش قسمت موقع نہیں ملے گا۔ یہ تعلیم ہی دراصل اس کا امتحان بھی ہے کہ آیا وہ راہبہ بننے کے لائق بھی ہے یا نہیں۔ وہ بڑی دل جمعی سے تعلیم لے رہی تھی، صبح چرچ واپس آکر اماں کے ساتھ کام کرنا اور رات کو دیر تک ایلیجا کے ساتھ کتابیں پڑھنا اور علمی مباحث مگر پھر سب کچھ درہم برہم ہو گیا۔ اچانک کیا ہوا تھا۔۔۔

اس وقت وہ نم آنکھوں سے انگوروں کے خوشے چن رہی تھی جس وقت اماں آئی تھیں۔ ایلیجا کو پچھلے ماہ سے منہ سے خون آرہا تھا۔ انہیں کیا ہوا تھا طبیب کو سمجھ نہیں آیا تھا لیکن اس نے اپنے مطابق دوائی دے دی تھی۔ آج کل گھر میں بس ان کی دبی دبی کراہیں تھیں۔ وہ پڑھنے لگتی تو ان کے کراہنے کی وجہ سے پڑھ نہیں پاتی تھی۔ چرچ میں کتنی موم بتیاں روشن کر چکی تھی مگر کوئی اثر

ظاہر نہیں ہوتا تھا نہ دعا کا نہ دوا کا۔

"ہو گیا کام۔"

"نہیں ابھی تھوڑا اور۔" اس نے ماں کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔

"اچھا۔" ان کے درمیان خاموشی کا وقفہ آیا تھا۔

"سن ایلیجا کو ابھی کسی اور جگہ منتقل کر دیا ہے۔" ایلن نے بمشکل ہمت جمع کر کے کہا تھا۔

"کچھ دن تو نے وہاں نہیں جانا۔"

"کیوں؟" وہ لرزی تھی وہ تو بس اس کے بعد ان کے پاس جانے کا ہی سوچ رہی تھی آج

انہیں پاس والے گاؤں سے لوٹنا تھا وہاں کسی طبیب کے پاس گئے تھے۔

"میں کہہ رہی ہوں۔۔۔ اس لیے۔" ماں کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ جو کبھی کبھی

ہی پڑتے تھے۔

"کیا ہوا ہے۔" وہ سہم گئی تھی۔

"جانتی تو ہے خون آرہا ہے، وہ بیمار ہیں۔"

"پھر تو ہمیں ان کا اور خیال رکھنا چاہیے اپنے پاس رکھنا چاہیے۔" وہ بے چین ہوئی تھی۔

"تو سمجھ نہیں رہی ان کو ایسی بیماری ہوئی ہے جس کا علاج نہیں ہے۔" ماں کو مزید غصہ آیا تھا۔

"یہ چھوت کا مرض ہے اور تو ابھی چھوٹی ہے تو تو وہاں ان کے پاس نہیں جائے گی یہ میرا حکم

ہے۔"

"کیا ایلیجا مر جائیں گے؟" اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"مجھے پادری صاحب کی بیوی نے بتایا ہے کہ یہ دراصل بیماری نہیں ہے ایک دیو ہے جو کتے کی

شکل کا ہوتا ہے۔۔۔ وہ انسان کے جسم پر قابض ہو جاتا ہے اور اس کے پھیپھڑے کھانے لگتا ہے۔"

وہ پلکیں جھپکائیں بنا اس بیماری کی عجیب و غریب وجہ سن رہی تھی۔

"اور جب وہ کتابھونکتا ہے تو یہ گندی کھانسی ہوتی ہے۔" ماں نے اسے خود سے لپٹا لیا تھا۔

"بس تو اب وہاں نہیں جائے گی۔"

رشتے کے نام پر اس کے دامن میں تھا ہی کیا۔۔۔ اور ماں اسے وہاں جانے سے بھی منع کر رہی

تھی۔

وہ دیکھ رہی تھی گلی کی نکر میں بنے اس کچی مٹی سے بنے کمرے میں جانے سے ہر کوئی اعراض

کرتا تھا اور اسے اعتراض ہوا تھا کسی انسان کو بے بسی کی حالت میں یوں تنہا چھوڑ دیے جانے پر۔ اس نے

دیکھا تھا اس کی ماں اکثر کھانے پینے کی چیزیں وہاں دروازے پر رکھ کر آیا کرتی تھی۔ جب ماں مایلیجاکے

لیے کچھ بنا کر لے جاتی وہ دروازے پر کھڑی آنسوؤں سے اس کو دیکھتی رہتی جب تک وہ چوکھٹ پر رکھ

کر لوٹ نہ آتی۔



سال بیت چکا تھا۔۔۔

وہ اس وقت ایک سیاہ منظر میں قید تھا۔ سیاہ بھاگتے ہوئے منظر میں۔ سامنے سے دشمن فوج کے

سپاہی گھوڑوں پر تلواں لیے دوڑتے آرہے تھے۔ گھوڑوں کی سموں سے غبار آگ کی صورت آسمان

کی طرف اٹھ رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے گینڈے کی کھال سے بنا سپر سر پر کر رکھا تھا اور دوسرے

ہاتھ میں تلوار تھی۔ سپہ سالار کے کہنے پر انہوں نے بھی ایڑ لگائی اور دشمن کی طرف بڑھتے چلے گئے

دونوں فوجیں آپس میں مدغم ہوئی تھیں وہ تلوار سے دشمنوں کی بھیڑ کو چیرتا چلا گیا تھا اس میں انسان

اور گھوڑے میں کوئی تخصیص نہ تھی جو اس کے سامنے آتا وہ اسے تلوار سے دو ٹکڑے کرتا جاتا تھا۔ یہ

قتل کا دور بمشکل پینتالیس منٹ چلا تھا جس میں دشمن کے تقریباً آدھے سے زیادہ لوگ مارے جا چکے تھے

اور ان کے ایک چوتھائی تک قتل ہو چکے تھے جب وہ مال غنیمت گھوڑے پر لاد کر پلٹا تو اس کے پاؤں میں دشمن فوج کے سپہ سالار کا سر آیا تھا جسے ٹھوکر سے اڑاتا غیض و غضب میں وہ ایک اور چھوٹے بھڑ میں گھس گیا تھا جہاں ابھی لڑائی جاری تھی۔

اگر ہم ان کو نہیں ماریں گے تو یہ ہم سے ہمارے گھر، زمینیں، فصلیں، عورتیں چھین لیں گے، یہ ہمارے بچوں کو غلام بنالیں گے اور ہمارا مذہب ہم سے چھین لیں گے۔



اس نے مٹی کے ظروف سے شراب ہاتھ میں لیکر اپنے چہرے پر آئے گہرے زخم پر لگائی تھی منہ سے سسکاری نکلی۔ وہ وہیں قلعے کی دیوار کے تلے جو ستاروں تک بلند ہوتی تھی تھی۔۔۔ جس کی بنیاد میں سبزہ اگ آیا تھا زمین پر ہاتھ پھیلا کر دراز ہو گیا۔ ابھی اس وقت ذرہ بھر طاقت وہ اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔ اسی کی طرح بہت سا تھی اس وقت گرے ہوئے تھے کچھ کھاپی رہے تھے کچھ قبہ کر رہے تھے اور کچھ عورتوں کے ساتھ رقص کر رہے تھے تاکہ آج کا خونی منظر بھلا سکیں۔ ساز کی آواز اسے ناسٹیلجیا کا شکار کر ہی تھی۔۔۔ ماں، باپ اور بھائی اور ایما۔۔۔ سنہری دھوپ میں انگوروں کے خوشے چنتی ایما۔۔۔ قدیم منظر۔

"چلو۔" بروک نے اسے کھینچا تھا۔ وہ لوگ ابھی مرنے والوں کی تدفین کر کے آئے تھے طبیعت مکدور تھی۔

"کہاں؟" وہاں رقص میں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ بیٹھا۔

وہاں سات آٹھ عورتوں کے ہجوم میں ایک دلکش سنہری لڑکی رقص کرتی تھی اس کی نظریں کچھ دیر کے لیے اس کے چہرے اور ردھم میں ڈھلتے وجود پر جم گئی تھیں۔ ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا۔ کچھ عورتیں ان کے سامنے وہاں مکئی سے بنی روٹی، بھنا گوشت اور شراب کے گلاس رکھتی تھیں مگر کھاتے

ہوئے بھی وہ وہیں مٹو تھا۔

"کہاں سے آئی ہو اس نے ستاروں کی چھایا میں اس سے پوچھا تھا۔

"وہیں سے جہاں کی تم حفاظت کرنے آئے ہو۔ اسی رستاوی کی سنہری زمین سے ہوں جہاں

میری ماں انگور چنتی تھی اور باپ اصطل کی رکھوالی کرتا تھا۔"

"مگر یہ رقص --- میں یونہی ہوں --- یہ ہی ہوں۔" وہ ہنس دیا تھا۔

اس سے زیادہ جاننے کی اسے خواہش نہیں ہوئی تھی۔ وہ وہیں نیند کی وادی میں اتر گیا۔



اور پھر ایک دن وہ رہ نہیں سکی تھی۔ ایللیجا سے ملے اسے ڈیڈھ مہینہ ہو گیا تھا اس کی اداسی

شدید عروج پر تھی۔ ان دنوں وہ چڑچڑاہٹ کا شکار رہنے لگی تھی اسے ماں سے ناراضگی محسوس ہوتی تھی

جو خود تو ان کا حال احوال پوچھ آتی تھیں مگر اسے نہیں جانے دیتی تھیں۔

پھر ایک دن وہ ماں سے چوری وہاں پہنچ گئی تھی۔ دھیرے سے دروازہ کھٹکھٹا کر اندر داخل ہوئی

تو اس کی چیخ نکلی تھی۔ یہ کیا تھا۔۔۔ یہ ایللیجا تو نہیں تھے یہ تو کوئی اور تھا۔ وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے

۔۔۔ کیا ان کو اس بیماری نے بد حال کیا تھا یا تنہا چھوڑ دیے جانے نے۔

وہ بستر پر تکیے کے سہارے بیٹھے تھے۔ اسے سامنے دیکھ کر انہیں جھٹکا لگا تھا اور آنکھوں سے

آنسوؤں کی پھوار بہہ نکلی۔

"یہاں سے جاؤ۔" وہ چیخے۔ وہ دروازے سے لگ کر کھڑی رہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے

رہے۔

"نہیں جاؤں گی۔" کچھ دیر بعد وہ پرسکون انداز اور ضدی لہجے میں کہتی اپنے کندھے پر ٹنگا تھیلا

کر سی پر رکھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹے۔

"خدا کا واسطہ ہے جاؤ ایما۔" انہوں نے ہاتھ جوڑے۔

"آج کیا تاریخ ہے ایلیجا؟"

"مجھے کیا معلوم؟" انہوں نے منہ پھیر لیا۔

"اور کتنے دن سے نہیں نہائے آپ۔۔۔ بو آرہی ہے۔"

ایما اٹھی اور جانے کتنے دنوں سے بند کھڑکی کھول دی۔ ہلکی ہلکی دھوپ اور روشنی سے یکدم ایلیجا کے جسم میں زندگی کی رمت پیدا ہوئی تھی۔ وہ شرمندگی سے ایما کی بات کا جواب نہیں دے سکے تھے۔

"اسے بند کر دو۔۔۔ میری بیماری۔۔۔" وہ پریشان لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"ایسے بیماری باہر نہیں جاتی۔" وہ کچھ بولے نہیں تھے۔

وہ کچھ دیر اس خوشی اور غم اور خوف کی کیفیت میں بولنا نہیں چاہتے تھے۔ اتنے مہینوں بعد کسی ذی روح کو اپنے کمرے میں دیکھ کر جس سے وہ دوچار ہوئے تھے۔

اور پھر اکثر ایسا ہوتا وہ ماں سے چوری اور زبردستی اس کمرے میں جاتی ان کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لیکر۔

"نہ آؤ یہاں ایما تمہیں یسوع کا واسطہ ہے۔۔۔ نینو کا۔۔۔ ڈیوڈ کا یہاں نہ آؤ۔" انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔

"تمہیں نقصان پہنچ جائے گا۔"

"جن سے ہم محبت کرتے ہیں ان سے ہمیں نقصان نہیں پہنچ سکتا۔۔۔ خدا ایسا نہیں ہونے دیتا۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔" اس کی عجیب منطق پر ان کے لب سل گئے تھے۔ وہ جھنجھلا گئے تھے۔ "کیا بنے

گا اس لڑکی کا۔۔۔"

اس بیماری کے بعد انہوں نے جانا تھا اس بچی کے علاوہ ان کا دامن خالی تھا۔ یہ وہ اکلوتی محبت تھی۔۔۔ وہ خزانہ تھا جو انہوں نے کمایا تھا۔ کیا یہ سچ تھا کہ اس بچی کو ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔۔۔ وہ بھی تو اس سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں جتنا کہ وہ۔



باقی آئندہ

اس قسط پر اپنی رائے کا منٹ باکس میں دیں